

مسئلہ سود

اور

غیر سودی مالیات

محمد اکرم خان

— (۴) —

XI۔ سابقہ حکومت کی روزگار سکیم

وزیر اعظم کی روزگار سکیم اگرچہ انتہائی نیک نیتی سے شروع کی گئی تھی، لیکن اسلامی معیشت کی طرف پیش رفت کے لئے یہ مددگار نہ تھی۔ اول یہ کہ اس پر سترہ فیصد سود تھا۔ جن لوگوں کے پاس سرے سے کوئی سرمایہ نہیں اگر وہ اس شرح سود پر قرض لیں تو کم از کم اس سے دو گنا منافع انہیں اپنے لئے بھی چاہئے تھا۔ لیکن چھوٹے کاروباروں میں شاید ہی کوئی ایسا کاروبار رہا ہو جو 50 فیصدی نفع بھی پیدا کرے اور اصل زر کی واپسی کے لئے بھی رقم فراہم کر سکے۔

بے روزگاری کو ختم کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تو خود سود کا خاتمہ ہے کیونکہ سود سرمایہ کاری کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ سود کاروزگار سے ایک معکوس تعلق ہے، جتنی شرح سود زیادہ ہوگی، سرمایہ کاری کم ہوگی اور روزگار کے مواقع کم ہوں گے، اور جتنی شرح سود کم ہوگی، سرمایہ کاری زیادہ ہوگی اور روزگار کے مواقع بھی زیادہ ہوں گے۔ اس بدیہی حقیقت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کوئی ایسی ترکیب جس میں سود کو باقی رکھا جائے اور روزگار بڑھانے کی توقع یا کوشش کی جائے بار آور نہ ہوگی۔

ایک مثالی حل تو یہ ہے کہ لوگوں کو یہ سرمایہ بلا سود قرض حسن کے طور پر ملے۔ لیکن چونکہ معیشت کے باقی شعبوں میں سود رائج ہے، حتیٰ کہ خود حکومت سیونگ سکیموں پر سود دے رہی ہے تو اغلب یہ ہے کہ لوگ بلا سود قرض لے کر کسی سیونگ سکیم میں لگا دیں گے اور اس طرح اپنے لئے سود خواری کا ایک اور باب کھول لیں گے۔

ان حالات میں ایک قابل عمل ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت چند ایک مخصوص کاروباروں کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا اعلان کرے۔ ان کاروباروں کے لئے موزوں صلاحیتوں والے لوگ ایسی بڑی بڑی کمپنیوں سے سے رابطہ کریں جو کہ ان کاروباروں کے لئے اموال تجارت یا خام مال فروخت کرتی ہوں۔ پھر جس شخص کو مالی مدد کی ضرورت ہے وہ ان کمپنیوں سے مال ادھار پر لے۔ اس کے لئے اسے ان کمپنیوں کو مطمئن کرنا ہوگا۔ کوئی رقم انہیں نقد نہ ملے گی بلکہ مال کی شکل میں ملے گی، اور جب تک پہلا پیسہ نہ لوٹائیں آئندہ ادھار نہ ملے گا۔ ضرورت ہو تو کوئی رہن کی شرط یا شخصی ضمانت رکھی جاسکتی ہے۔ اور یہ بڑی کمپنیاں بینکوں سے یا مالیاتی اداروں سے اس ادھار کا ایک بڑا حصہ (70، 80 فی صد) نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر حاصل کریں۔ ان کمپنیوں کے حسابات پیشہ ور اکاؤنٹنٹ لکھیں اور آڈیٹرز آڈٹ کریں۔ یہ کمپنیاں نقد اور ادھار کی قیمت ایک ہی رکھیں گی تاکہ سود کسی دو سرے واسطے سے داخل نہ ہو سکے۔

XII - غیر سودی نظام میں استحکام

ایک سوال یہ بھی ہے کہ نفع و نقصان میں شرکت کی وجہ سے کہیں بینکوں کا موجودہ نظام عدم استحکام کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ سوال صورت واقعہ کے صحیح ادراک نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ سودی نظام میں بینک زیادہ کمزور

بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں بچت کنندگان کا سرمایہ مع سود کے بینک کی ذمہ داری ہوتا ہے، لیکن اگر بینک کے اثاثہ جات (جو کہ سرمایہ کاروں کے ہاں بینک کی رقوم (Advances) کی شکل میں ہوتے ہیں) کی قدر و قیمت میں کمی آجائے، جیسا کہ اس وقت ہوتا ہے جب بہت سے لوگ نارہند ہو جائیں، یا بینک کے پاس رہن رکھی گئی ضمانتیں بے کار ہو جائیں، تو بینک کے دیوالیہ ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بینک کے واجبات تو کم نہیں ہوتے البتہ اثاثہ جات میں کمی آجاتی ہے، لہذا بینک ناکام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے سالوں میں سودی بینکوں کی ناکامی کے واقعات بہت زیادہ ہوئے ہیں۔ امریکہ کی فیڈرل ڈیپازٹ انشورنس کارپوریشن کی 1987ء کی سالانہ رپورٹ (جدول نمبر 122) کے مطابق امریکہ میں 1934-87ء کے اثاثہ میں 1333 بینک فیل ہوئے جن میں 1980-87ء کے سات سالوں میں 631 فیل ہوئے اور 1987ء کے ایک سال میں 184 فیل ہوئے۔ ۱۱

اس کے برعکس بلاسود بینک کی ساخت میں ایک بنیادی استحکام موجود ہے، ان بینکوں میں جب کوئی بچت کنندہ رقم لگاتا ہے تو نفع و نقصان میں شرکت کا پابند ہوتا ہے، لہذا اگر بینک کے اثاثہ جات کی قدر میں کمی آتی ہے تو اتنی ہی کمی اس کے واجبات میں بھی آجاتی ہے۔ یہی بات آئی۔ ایم۔ ایف کے سٹاف پیپر نمبر 33 میں بھی کہی گئی ہے۔ ۱۲

XIII - کامیابی کے امکانات

اس سلسلے میں ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب ساری دنیا پر سودی معیشت کا غلبہ ہے اور مسلمان اپنی معیشت اور سیاست میں غیر مسلموں پر انحصار رکھتے ہیں وہ کیسے اس طرح کا انقلابی نظام برپا کر سکتے ہیں؟

اگرچہ بدیہی نظر میں یہ بات بہت مضبوط ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود غیر مسلم دنیا ایک غیر محسوس طور پر ایک ایسے نظام کی طرف حرکت کر رہی ہے جو کہ غیر سودی

مالیاتی نظام سے بہت قریب ہے۔ اس کے چند ایک شواہد یہ ہیں :

(۱) بینکوں کا روایتی رول تیزی سے بدل رہا ہے، روایتی طور پر بینک عام لوگوں کی بچتوں کو کاروباری لوگوں کو سود پر قرض دیتے ہیں۔ لیکن اب بینکوں کا یہ کاروبار تنزل پذیر ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ بینکوں کے ناکام ہونے کے واقعات عام ہونے کی وجہ سے بینکوں کو منضبط کرنے والے ادارے (Regulators) کی طرف سے یہ دباؤ بڑھ رہا ہے کہ بینک اپنے اثاثہ جات کا ایک خاص حصہ (جو آج کل 8 فی صدی ہے) کے برابر اپنا سرمایہ لگائیں۔ چونکہ عام طور پر بینکوں کے لئے یہ ایک کڑی شرط ہے لہذا وہ بچت کنندوں کا سرمایہ اپنے پاس رکھ کر اسے قرض دینے کے بجائے، سرمایہ مانگنے والے کاروباری اداروں کو کتے ہیں کہ یہ ادارے اپنے تمسکات یا حصص یا مالیاتی سرٹیفکیٹ جاری کریں اور بچت کنندگان یہ تمسکات یا حصص خرید لیں۔ اس سے بینک صرف اپنا کمیشن وصول کر لیتے ہیں۔ بچت کنندگان کو بھی زیادہ منافع کی امید ہوتی ہے کیونکہ وہ علاوہ منافع (Dividend) کے ان تمسکات کو شاہک ایکیچینج پر فروخت کر کے بھی اضافی منافع کے امیدوار ہوتے ہیں۔ سرمایہ لینے والوں کو بھی اس طریقہ میں کشش ہوتی ہے کیونکہ ان تمسکات کی بے شمار اقسام ہیں، ہر ایک کی شرائط، حقوق و واجبات مختلف ہوتے ہیں، اس طرح سرمایہ کے حصول اور اس کی شرائط میں بہت تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ بینکوں کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انہیں کمیشن تو مل جاتا ہے لیکن ان کے واجبات و اثاثہ جات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ چنانچہ اس طرح سے مالی سہولت حاصل کرنے کا رجحان بہت بڑھ رہا ہے۔

امریکہ کی مثال لے لیجئے۔ ایک طرف تو وہاں پر بچت کنندوں نے اپنی رقوم بینکوں سے نکلوا کر مختلف قسم کے میوچل فنڈز میں لگانا شروع کر دی ہیں (ان میوچل فنڈز میں 1993ء کے آخر تک 2 کھرب ڈالر (2 Trillion) لگے ہوئے تھے، جبکہ بینکوں میں بچتوں کا حجم محض 2.7 کھرب ڈالر تھا) دوسری طرف سرمایہ کاروں نے اپنی

مالی ضروریات کے لئے سیدھا شاک ایچینج کارخ کرنا شروع کر دیا ہے، چنانچہ 1970ء میں امریکہ میں کاروباری اداروں کے کل قرضہ جات کا 65 فی صدی بینکوں سے جاری ہوتا تھا لیکن 1992ء تک یہ شرح صرف 36 فی صدی رہ گئی تھی۔ ۲۳

(ب) جیسا کہ اوپر اشارنا ذکر ہوا ہے اب ترقی یافتہ ممالک میں عام رجحان یہ ہے کہ بچت کنندگان اپنا پیسہ بینکوں میں رکھنے کے بجائے مختلف قسم کے میوچل فنڈز اور پنشن فنڈز میں لگانے لگے ہیں۔ 1980ء میں امریکہ میں صرف 6 فی صدی گھرانے اپنا سرمایہ ان فنڈز میں لگایا کرتے تھے لیکن 1990ء تک یہ شرح 28 فی صدی تک ہو گئی تھی۔ اسی طرح 1980ء میں عام گھرانوں کی بچتوں کا 46 فی صدی بینکوں میں جایا کرتا تھا لیکن 1990ء میں یہ شرح گھٹ کر 38 فی صدی رہ گئی تھی۔

(ج) تمام ترقی یافتہ ممالک میں کریڈٹ کارڈ کا عام رواج ہے، کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سے ایک عام آدمی کسی بھی سٹور سے اپنی روزمرہ کی ضروریات خرید سکتا ہے۔ وہ سٹور اپنی رقم تو متعلقہ بینک سے لے لیتا ہے اور بینک اس کو خریدار کے حساب میں لکھ دیتا ہے۔ اب اگر یہ خریدار 30 دن کے اندر اندر ادائیگی کر دے تو اسے کوئی سود نہیں دینا پڑتا ہے، تاخیر کی صورت میں سود دینا پڑتا ہے۔ بینکوں کی طرف سے کریڈٹ کارڈ کا اجراء تو اسی اندازہ پر مبنی ہے کہ عام لوگ کسی نہ کسی وجہ سے تاخیر ضرور کر دیں گے اور اس طرح وہ سود کما سکیں گے، لیکن اس بات کا ایک دوسرا رخ بھی ہے کہ پہلے 30 دن کے لئے تو یہ رقم قرض حسن ہی ہوتی ہے جبکہ بینک کسی اور موقع پر قرض حسن ایک دن کے لئے بھی نہیں دیتے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک محدود حد تک ہی سہی، لیکن انسانیت نے قرض حسن کو ایک باقاعدہ شکل دے کر رائج کیا ہے۔ اس نظام کو اسلامی اسلوب پر ڈھالنے کی بہت گنجائش ہے۔

(د) دنیا میں آج کل براہ راست بیرونی ممالک میں سرمایہ کاری (Direct Foreign Investment) کا بہت چلن ہو رہا ہے۔ ایک

اندازے کے مطابق ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان تقریباً ایک ارب ڈالر سالانہ کی سرمایہ کاری ایشیا کے ترقی پذیر ملکوں میں بیرونی سرمایہ داروں کی ہے۔ ۲۳ اندازہ کیا جا رہا ہے کہ مستقبل میں یہ رجحان اور بڑھے گا کیونکہ اس طرح سے سرمایہ کاروں کو سود کی نسبت زیادہ منافع کی امید ہے۔ ۲۵ یہ بات اس اعتبار سے بھی خوش آئند ہے کہ سود پر بیرونی امداد بتدریج کم ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں سرمایہ کاروں کا براہ راست سرمایہ کاری میں پیسہ لگانا ایک اچھا نشان ہے۔ جس طرح ماضی میں بینک سود پر قرض دینے کے لئے مسابقت کرتے تھے آج کے دور میں براہ راست سرمایہ کاری کرنے والے ایسی ہی مسابقت میں لگے ہوئے ہیں۔ ۲۶

(۵) ایک اور خوش آئند بات یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بہت سا سرمایہ براہ راست نئے نئے منصوبوں میں لگنے کے لئے دستیاب ہو رہا ہے۔ اس کو Venture Capital کہتے ہیں، یعنی وہ لوگ جو کسی نئے خیال یا سائنسی دریافت یا نئی ٹیکنالوجی کو عملی طور پر دنیا میں لانا چاہتے ہیں ان کی مدد کے لئے ایسے لوگ موجود ہیں جو نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر پیسہ لگانے کو تیار ہیں۔ بتدریج ایسے سرمایہ کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انسانیت خود سے ایک ایسے نظام کی طرف مائل ہے جو سود سے پاک ہو۔ اس میں کچھ عمل دخل تو خود سود کی اپنی چیرہ دستیوں اور ارتکاز دولت سے پیدا شدہ نا انصافیوں کا ہے اور کچھ فطری کشش ایسے نظام میں ہے جو نفع و نقصان کی بنیاد پر ہو، کیونکہ اس میں نفع کے زیادہ ملنے کے امکانات زیادہ ہیں، اگرچہ نقصان کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ ایسے حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ اگلی صدی انسان کی صحیح معنی میں آزادی کی صدی ہو جب وہ دولت کی غلامی سے نکل جائے گا۔ جب تک سود موجود ہے دولت انسان پر غالب رہے گی، صرف سود کے خاتمہ کے ساتھ ہی انسان حقیقی طور پر آزاد ہو سکے گا۔

XIV - چند لازمی شرائط

اس مقالے میں جو تجاویز دی گئی ہیں ان کی کامیابی کے لئے چند لازمی شرائط ہیں۔

۱۔ سیاسی عزم

حکومت اس کا عزم کرے کہ اس نے سود کو ختم کرنا ہے۔ ڈھیلے ڈھالے طریقے سے محض زبانی تائید سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

ب۔ قانونی تبدیلیاں

مذکورہ بالا تجاویز بہت سی قانونی اور ضابطے کی تبدیلیوں کو لازم کرتی ہیں۔ اس کے لئے بہت مفصل کام کی ضرورت ہوگی جو حکومت کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس میں قومی اسمبلی اور سینٹ کو بہت مثبت اور فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔

ج۔ بلا سود مالیاتی اداروں کے بارے میں علمی تشہیر

بہت سے لوگ، بالخصوص بیوروکریٹ، بینکار اور پڑھے لکھے لوگ دلی طور پر سمجھتے ہیں کہ بلا سود معیشت ممکن نہیں ہے۔ لہذا بہت بڑے پیمانے پر ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے سے اس کے قابل عمل حل پیش کئے جائیں۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں سود کے نقصانات اور بلا سود نظام کو شامل نصاب کیا جائے تاکہ علمی طور پر اس کام کی بنیادیں راسخ ہو سکیں۔

د۔ مقامی عدالتوں کا قیام

اس نئے نظام کو کامیاب بنانے کے لئے مقامی سطح پر عدالتوں کو قائم کیا جائے جو کہ جلد اور سستا انصاف فراہم کریں اور مالیاتی اداروں سے لین دین میں بے ضابطگی

کے مرتب افراد کو سزا دے سکیں۔

۶۔ کاروباری افراد اور اداروں پر معلومات

حکومت اور پرائیویٹ سطح پر ایسے اداروں کے قیام کی ضرورت ہے جو آزادانہ طور پر کاروباری اداروں اور اشخاص کے بارے میں Credit Rating پر معلومات فراہم کریں، تاکہ جو لوگ معاملات میں ناہمند ہوں یا گڑ بڑ کرنے والے ہوں ان کو کسی جگہ سے بھی کوئی مدد مل نہ سکے۔ قانوناً یہ ضروری ہو کہ جس نے بھی بینکوں سے لین دین کرنا ہو وہ ان اداروں سے اپنی ساکھ کے بارے میں تصدیق کروائیں۔ بینک براہ راست ان اداروں سے معلومات حاصل کرنے کے مجاز ہوں۔

۷۔ شاک ایکیچیج کی اصلاح

چونکہ اسلامی معیشت بڑے پیمانے پر مالکانہ حصص اور دیگر بہت سے سرمایہ کاری کے آلات کو وجود میں لاتی ہے، لہذا ضروری ہو گا کہ بہت سے شاک ایکیچیج وجود میں آئیں، جن میں کاروبار کو بہت قرینے سے منضبط کیا جائے تاکہ سٹہ بازی، منجبرانہ تجارت (Insider Trading) اور دیگر بے قاعدگیوں کا سدباب کیا جاسکے اور لوگوں کے سرمایہ کو تحفظ ملے۔

۸۔ تاجروں کی پیشہ ورانہ انجمنوں کی حوصلہ افزائی

ہر صنعت و حرفت کے تاجروں کی پیشہ ورانہ انجمنوں کے قیام کے لئے حوصلہ افزائی کی جائے اور آئندہ مالی لین دین کے لئے ان انجمنوں کی ضمانت پر بینک چھوٹے اداروں یا چھوٹے کاروباری اشخاص سے لین دین کر سکیں۔ یہ انجمنیں بینکوں سے رقوم کی واپسی کا اطمینان بھی دلائیں اور عملی مدد بھی کریں۔

XV- حرف آخر

سو ایک بہت ہی پیچیدہ امر ہے، یہ پوری معیشت میں بہت گہرائی تک سرایت کئے ہوئے ہے، اسے کسی آسان اور سہل طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جب اسے ختم کرنے کی عملی جہد و جدوجہد شروع ہوگی تو یہ سو طریقوں سے دوبارہ در آنے کی کوشش کرے گا۔ لہذا ضروری ہوگا کہ ایسا ادارتی نظام (Institutional Arrangement) کیا جائے جو اس بات کی نگرانی رکھے کہ یہ کسی بھی راستہ سے دوبارہ معیشت میں داخل نہ ہو سکے۔ ایک تجویز یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت ایک مستقل کمیشن اس کی نگرانی کے لئے رکھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سٹیٹ بینک اور دیگر بڑے بینک اپنے ہاں شریعت بورڈ قائم کریں جو بینکوں کے کام کی نگرانی کریں اور انہیں شریعت پر چلنے میں مدد دیں۔ بین الاقوامی طور پر نہ صرف قرض دینے والے اداروں اور حکومتوں کو سود پر بندش کے نئے قواعد سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہوگی بلکہ دوسری اسلامی حکومتوں اور اسلامی بینکوں سے براہ راست تعاون اور تعلقات استوار کرنے بھی ضروری ہوں گے۔ یہ ایک بہت لمبا اور صبر آزما کام ہے، لیکن اس کی برکات ایسی ہوں گی کہ زمین رزق اگلے گی اور آسمان اوپر سے رزق برسائے گا اور خوشحالی اور خیر و برکت کے دروازے کھل جائیں گے، بے روزگاری، غربت، نکبت اور زلت دور ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ!

Darrat, F., "Islamic Banking : An outline of some conceptual and Empirical Results" *Savings and Development*, Milan (XIV : 1), 1990
Pp. 188

Khan Mohsin S., *Islamic Interest Free Banking*, IMF Staff Paper No. 33, 1986, Pp. 19

"A Survey of International Banking" *Economist*, London, 30 April 1994, Pp. 11

Private Market Financing for Developing Countries, Washington : IMF, 1994, Pp. 27

۲۵ ایضاً

Promoting Foreign Direct Investment in Developing Countries, Pains: OECD, 1993, Pp. 55